مصنف : ایرل لارڈ

مترجم : محسن رضا

(قلمی نام)

جاسوسی ڈائجسٹ : نومبر 1985

وہ ایک سادہ طبیعت وخوش مزاج شخص تھا۔ اپنے کام سے
کام رکھتا تھا مگر حالات نے یوں اُسے اُلجھا لیا کہ پورے
شہر میں ہی گویا بھونچال سا آگیا۔ انجانے میں اُس
سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ایک معمہ بن گیا

اِس معمے کی گرہیں کیونکر کھلیں؟ ایک شگفتہ مزاج آدمی کی شگفتہ کہانی

محسن رضا

ذاتی جنگ

میرا نام کارلنز، عمر تینتیس سال اور پیشہ ایک بنک میں اسسٹنٹ برانچ منیجر کی حیثیت سے ملازمت ہے۔ سر پر سرخ گھنے چمکدار بالوں کا گھونسلا ہونے کے باوجود مجھے سُست، گاؤدی اور قدامت پسند سمجھا جاتا ہے۔ فوج میں لازمی سروس کے دوران جن چند ناخوشگوار تجربات سے میں دوچار ہوا تھا، ان کی بنا پر میں نے عملی زندگی میں ایسے پیشے کا انتخاب کیا تھا جو سُست رو ہونے کے ساتھ منفرد بھی ہو۔

میرا لباس ہمیشہ سادہ اور قدامت پسندانہ ہوتا تھا۔ میرے پاس ایک چھوٹی سیاہ رنگ کی کار تھی اور میری زندگی ایک ہی ڈگر پر چل رہی تھی۔ ہمارا بینک زیادہ تر تجارتی اداروں کو قرضے فراہم کیا کرتا تھا۔ میری پوری توجہ اپنے کام پر مبذول رہتی تھی اور میں سخت محنت کرنے کا عادی تھا۔ جب کبھی ہمارے گاہک کوئی پرانا لطیفہ سناتے تو میں ضرور مسکرا دیتا تھا۔ ہفتے میں دو مرتبہ بینکنگ اسکول کی کلاسیں اٹینڈ کرنا میرے فرائض میں شامل تھا۔ میری تفریحات پُراسرار کہانیاں پڑھنے، ٹیلی وژن دیکھنے اور ویک اینڈ پر ٹینس کھیلنے تک محدود تھیں۔

بنک کے پیسے میں ایک پسندیدہ شخصیت تھا۔ خاص طور پر منیجر اس روز سے مجھے بے حد چاہنے لگا تھا جب میں نے اسے یہ خبر سنائی تھی کہ میں اس وقت تک کسی خاتون کی جانب سنجیدگی سے مائل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جب تک اپنے اندر حوصلہ اور سکت پیدا نہ کر سکوں اور میرے ان ارادوں کو پختگی اس وقت ملی جب میں نے بنک میں ملازم خواتین کی جانب نگاہِ غلط انداز ڈالنے کے بجائے نظریں چرانا شروع کر دیں۔ بنک میں میرا نام اس فہرست میں شامل تھا جو ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ میرے بارے میں یہ افواہ خاصی گرم تھی کہ پینتیس سال کی عمر میں، میں کسی نہ کسی چھوٹی برانچ کا منیجر ضرور بن جاؤں گا۔

میری اس سست روزندگی اور بودر رویّے کا اصل محرّک وہ واقعات تھے جو فوج میں ملازمت کے دوران پیش آئے تھے۔ سب سے پہلا واقعہ وہ تھا جب میں کوریا کے دورے پر تھا اور مجھے اس لڑکی کی جانب سے تعلقات منقطع کرنے کا خط موصول ہوا تھا جس سے میں شادی کرنے کا منصوبہ اس وقت سے بنا رہا تھا جب میری عمر تیرہ برس تھی۔ وہ میرے بچپن کی چاہت تھی۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ اس نے ایک ایسے سیلز مین سے شادی رچالی ہے جو پرانی کاروں کا کاروبار کرتا ہے تو مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ سیلز مین ایک مرتبہ مجھے بھی ایک ایسی کھٹارا کار دے گیا تھا جو اس کے رخصت ہوتے ہی چلنا بھول گئی تھی اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے چلنے پر مجبور نہیں کر سکی تھی، بالآخر مجھے ایک کباڑی سے رابطہ قائم کرنا پڑا تھا۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی بدتر تھا۔ میں نے فوج میں شمولیت رضاکارانہ طور پر اختیار کی تھی تاکہ ملازمت کی میعاد پوری کرلوں۔ میں ایک جنگجو سپاہی بننا چاہتا تھا لیکن فوج نے مجھے ایک مسخرا بنا دیا۔ میری پوسٹنگ میری خواہش کے مطابق ایک جنگی یونٹ ہی میں ہوئی تھی اور یہ یونٹ کسی بھی وقت محاذِ جنگ پر جانے والا تھا کہ ہمارے ایک احمق لیفٹیننٹ کو اچانک جوانوں کا مورال اور جنگی جذبہ بڑھانے کی سوجھ گئی۔ اس نے مختلف کمپنیوں کے درمیان باکسنگ کے مقابلوں کا اعلان کر دیا۔ ایک اور احمق نے جو مجھے اسکول کے زمانے سے جانتا تھا، مجھے رنگ میں بھیجنے

کا پروگرام بنا ڈالا۔ اس نے لیفٹیننٹ کو میرے اور میری ناک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے رِنگ میں کھڑا کر دیا گیا۔ یہ بات بڑی مضحکہ خیز تھی اور پھر میں نے تمام کمپنی کے جوانوں کی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا۔ جو بھی میرے مقابل آیا، سیدھا میڈیکل یونٹ لے جایا گیا۔ میرے شکاروں میں ہمارا کمپنی کمانڈر اور ایک کرنل بھی تھا جو اس وقت یونٹ کے دورے پر آیا ہوا تھا۔

کرنل کو میری یہ حماقتیں اتنی پسند آئیں کہ اس نے میرا تبادلہ اسپیشل سروسز میں کرا دیا جہاں میں کُل وقتی طور پر مسخرے باکسر کی حیثیت سے مختلف ٹروپس کے لیے تفریح کا سامان مہیا کرنے لگا۔

مجھے اس حال میں پہنچانے کا تمام تر قصور میری ناک کا تھا۔ میرا بچپن ایک ایسے علاقے میں گزرا تھا جہاں دنگا فساد روز کا معمول تھا۔ جب میری عمر گیارہ برس تھی تو ایک جھگڑے میں میری ناک بُری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اور ڈاکٹروں نے بڑی محنت کے بعد اسے دوبارہ جوڑا تھا۔ ناک تو جیسے تیسے جُڑ گئی تھی لیکن اس کا اندرونی اعصابی نظام کچھ اس طرح بگڑا تھا کہ اگر میں ناک صاف کرنے کی کوشش بھی کرتا تو اتنی شدید تکلیف محسوس ہوتی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میں نے ان تمام کھیلوں میں حصّہ لینا چھوڑ دیا تھا جن میں جسمانی طور پر کسی سے ٹکرانے کا خدشہ ہو سکتا تھا پھر اسی بنا پر میں نے ٹینس کے کھیل کا انتخاب کیا۔

جب محلّے میں میری ناک کے انتہائی حسّاس ہونے کی خبر پھیلی تو پھر جیسے لوگوں کی بن آئی۔ نو عمر لڑکے حقیقت میں اذیّت پسند ہوتے ہیں۔ مجھے جان بوجھ کر لڑائی میں گھسیٹ لیا جاتا تھا لیکن میں پھرتیلا ہونے کے باعث جھکائی دے کر، یا پینترا بدل کر اس گھونسے کے وار سے ہمیشہ بچ نکلتا تھا جس کا نشانہ میری ناک ہوتی تھی۔ لڑکوں کو حسرت ہی رہتی کہ وہ میری ناک کو نشانہ بنا سکیں۔ ان کے وار ہمیشہ خالی جاتے تھے۔ کچھ دنوں بعد میں نہ صرف جھکائی دے کر نکلنے میں طاق ہو گیا بلکہ مقابل پر تیزی سے حملے بھی کرنے لگا۔ میرا پسندیدہ ٹارگٹ میرے مدِمقابل کی ناک ہوتی تھی۔ جب میں نے اس فن میں بھی مہارت حاصل کر لی تو پھر محلّے کے لڑکوں نے میرا پیچھا چھوڑ دیا۔

میں نے بچپن کے اس دور کو ایک خواب سمجھ کر بھلا دیا تھا لیکن فوج کے باکسنگ رِنگ میں داخل ہوتے ہی وہی دور ایک بار پھر میرے سامنے آ گیا۔

باکسنگ کے دستانے پہن کر میں اپنے مقابل کی ناک کو ایسی کوئی ضرب پہنچانے میں ناکام رہتا تھا کہ وہ کسی طرح میری ناک کا پیچھا چھوڑ دے۔ میں اپنے مقابل کے وار سے بچنے کے لیے جھکائی دے کر اور پھر اس کے چہرے پر چند زوردار پنچ مار کر کچھ پوائنٹ حاصل کر لیتا تھا۔ ڈیوٹی کے فارغ اوقات میں باکسنگ کے موٹے

دستانوں کے بغیر بات کچھ اور ہوتی تھی۔ جب کبھی نشے میں دُھت کوئی فوجی مجھے بار میں اپنے فن کے مظاہرے کا چیلنج دیتا تو پھر باکسنگ کا صحیح لطف آتا تھا۔ میں بآسانی اس کے حملوں سے بچ نکلتا تھا لیکن میری ہتھیلی کا ایک ہی وار جو اس کی ٹھوڑی پر پڑتا اسے ہاتھ پیر ڈالنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ مجھے یہ وار جنگی ٹریننگ کے دوران دُوبدُو لڑائی کے لیے سکھایا گیا تھا۔

جب میں فوج میں مسخرے کی حیثیت سے دو سال کی ملازمت مکمل کر کے گھر لوٹا تو میری تمکنت اور شان و شوکت بُری طرح مجروح ہو چکی تھی۔ میں نے شہری زندگی میں قدم رکھتے ہی اپنی ذات کو اپنے کام میں دفن کر دیا۔ میں نے ایک ہی رات میں مسخرے سے بنک کے ایک نوجوان قدامت پسند ملازم کا روپ اختیار کر لیا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب زندگی بھر کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میرا یہ ارادہ شاید زندگی بھر قائم رہتا اگر منگل کے اس خوش قسمت دن میں اپنے ہمراہ اپنا پینتیس ملی میٹر کا کیمرا ساتھ کام پر نہ لے گیا ہوتا۔

میرے کیمرے میں بیس ایکسپوزر کا ایک رول ڈلا ہوا تھا جس میں ابھی چند تصویریں باقی تھیں۔ میری پندرہ دن کی تعطیلات قریب تھیں، اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ باقی تصویریں لنچ کے وقفے میں اس سیاہ اور سنہرے مقبرے کی بناؤں گا جہاں میں کام کرتا تھا۔

شام کو جب میں ہائی اسٹریٹ سے اپنے فلیٹ کی جانب روانہ ہوا تو اس وقت کیمرے میں صرف ایک تصویر کھینچنا باقی رہ گئی تھی۔

ہائی اسٹریٹ کے ایک چوراہے پر سگنل کی سرخ بتی کی وجہ سے میں نے دور ہی سے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ ابھی میں سگنل سے کافی فاصلے پر تھا کہ قریبی بس اسٹاپ پر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اچانک اٹھی اور ہاتھ لہرانے لگی۔ میری نگاہ بے ساختہ لڑکی کی جانب اٹھی، میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میں نے اتنی حسین و جمیل لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سیاہ بال، زیتون کی سی ہلکی رنگت اور گہری نیلی آنکھوں کا یہ امتزاج لاکھوں میں کہیں دکھائی دیتا ہے۔ میں اس دلکش نظارے میں ایسا کھو یا کہ مجھے احساس ہی نہیں رہا کہ میں کہاں ہوں۔ ہوش تو اس وقت آیا جب میری کار سگنل پر کھڑی ایک بڑی سی سیاہ سیڈان کے عقبی حصے سے جا ٹکرائی۔

یہ ٹکر زیادہ زوردار تو نہیں تھی لیکن اتنی زوردار ضرور تھی کہ سیاہ سیڈان کی عقبی لائٹیں ٹوٹنے کے علاوہ ہمارے بمپر ایک دوسرے میں پھنس گئے تھے۔ میں اپنی قسمت کو کوس رہا تھا کہ میں نے کسی پرانی کار کے بجائے برانڈ نیو کار سے ٹکرانے کی حماقت کی تھی۔ میں ڈرائیونگ لائسنس کی تفصیلات ایک دوسرے کے گوش گزار کرنے کے ارادے سے اپنی کار کا دروازہ کھول کر اتر ہی رہا تھا کہ سگنل کی بتی سبز ہو گئی اور میری کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ اچانک جھٹکا لگنے سے میں دوبارہ اچھل کر اپنی سیٹ پر آ گیا۔ کار کا دروازہ پوری قوت سے میرے بائیں ہاتھ سے ٹکرایا اور میرا داہنا ہاتھ سیدھا ہارن پر پڑا۔

چوراہے سے سو گز دور جانے کے بعد سیڈان کے پاگل ڈرائیور نے اپنی کار سڑک کے کنارے روک دی۔ میری کار کا اگلا بمپر بدستور اس سیاہ سیڈان کے عقبی بمپر میں پھنسا ہوا تھا۔ لہٰذا سیاہ سیڈان کے رُکتے ہی میری کار بھی رک گئی۔ اگلی کار کا ڈرائیور نیچے اترا تو میں نے ایک نظر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس شخص کا قد درمیانہ، جسم بھرا ہوا، آنکھوں کی رنگت سیاہی مائل بھوری اور چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ اس کے جسم پر قیمتی لباس نمایاں تھا۔ کار سے اتر کر وہ تیزی سے میری جانب بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عینک دبی ہوئی تھی جس کے دونوں شیشے چکنا چور ہو چکے تھے۔ اسے تیزی سے اپنی جانب لپکتا دیکھ کر میں جھکائی دینے کے لیے تیار ہو گیا — اس دوران میں اپنا ڈرائیونگ لائسنس نکال چکا تھا۔ میں نے وہ لائسنس اس کی جانب بڑھا دیا تاکہ اس کی توجہ مجھ پر سے ہٹ جائے اور وہ مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔

لیکن اس شخص نے میرے ڈرائیونگ لائسنس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں کی۔ میرے نزدیک پہنچ کر اس نے اپنی شکستہ عینک سڑک کے عین بیچ میں پٹخ دی اور منہ بناتے ہوئے بولا۔ "آؤ دوست، پہلے ان کاروں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر لیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ کاروں کے بمپر سے زور آزمائی کرنے لگا۔

میں نے اپنے دونوں پیر اپنی کار کے بمپر پر رکھے اور نیچے کی جانب زور لگانا شروع کر دیا۔ اس شخص نے اپنی سیڈان کے بمپر اوپر کی جانب کھینچنا شروع کر دیے۔ بالآخر ہماری محنت کارگر ہوئی اور ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ دونوں کاریں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئیں، اور سڑک پر شیشے کے ٹکڑے بکھر گئے۔ اس شخص نے دانت پیستے ہوئے میری کار کو پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔ کار پانچ چھ فٹ پیچھے چلی گئی۔

میں افسردہ نگاہوں سے اس شخص کی کار کے نقصان کا جائزہ لینے لگا۔ ایک ہیڈ لائٹ ٹوٹنے اور بمپر میں ڈینٹ آنے کے علاوہ میری کار کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔

جب میں اپنی غلطی تسلیم کرنے اور معافی مانگنے کے ارادے سے اس شخص کی جانب پلٹا تو وہ اپنی جیب سے بٹوا نکال رہا تھا۔ پہلے میں یہی سمجھا کہ وہ اپنے بٹوے میں سے ڈرائیونگ لائسنس نکالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے معذرت طلب کرتے ہوئے ابھی چند الفاظ ہی ادا کیے تھے کہ اس نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے بٹوے میں سے سو سو ڈالر کے پانچ کرارے نوٹ نکال کر میری جانب بڑھا دیے۔ وہ قدرے پریشان اور نروس دکھائی دے رہا تھا۔
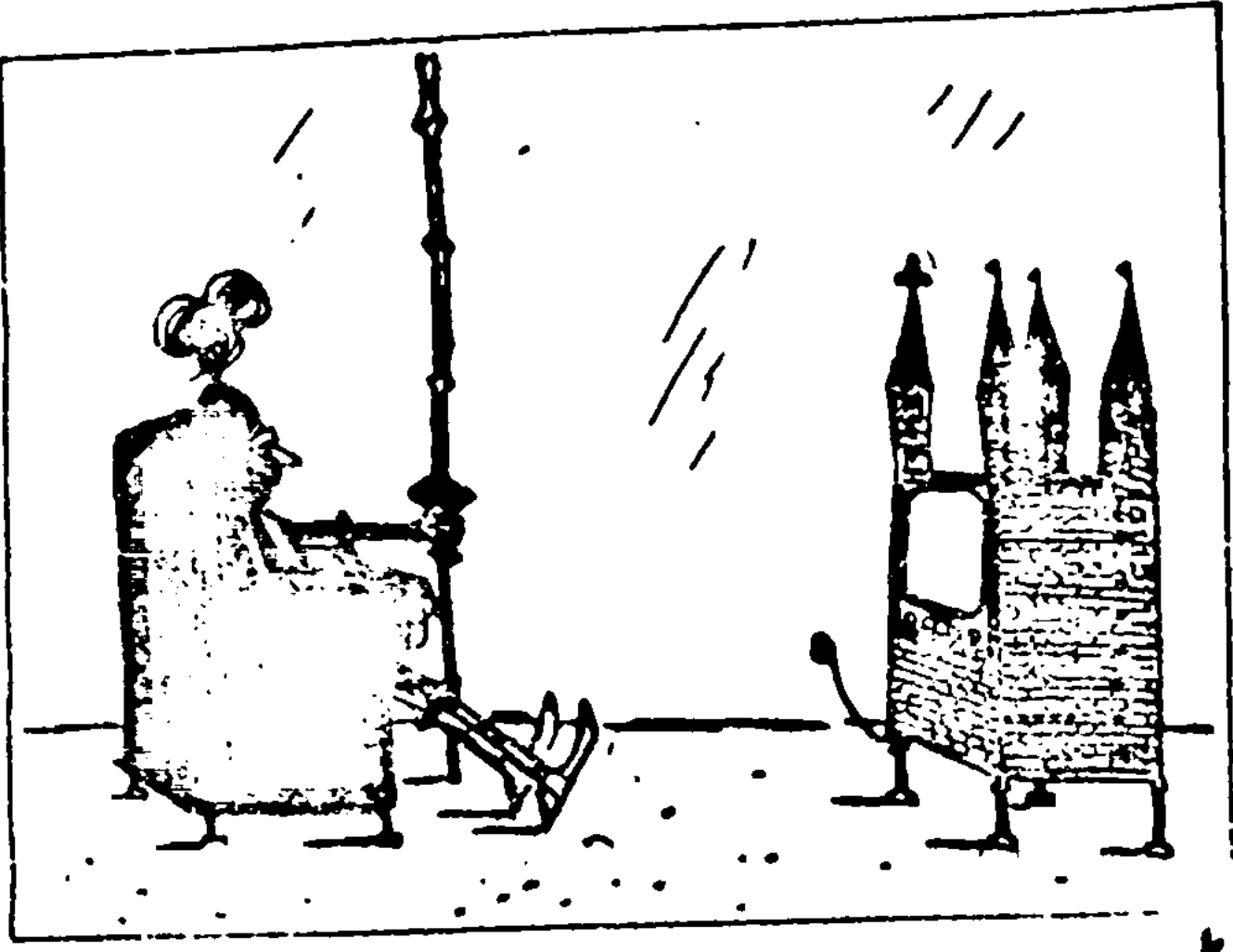
"کیا یہ رقم تمہارے نقصان کی تلافی کے لیے کافی ہوگی؟ دوست، مجھے ذرا جلدی ہے۔" اس کے لہجے میں کسی درندے کی سی غراہٹ شامل تھی۔

میں ایک لمحے کے لیے سٹپٹا سا گیا اور آنکھیں پھاڑے کرارے نوٹوں کو گھورنے لگا۔

"مجھے زیادہ دیر روکنے کی کوشش مت کرو دوست۔" وہی غراہٹ ایک بار پھر سنائی دی۔ "میں تمہارے ساتھ اس سے زیادہ ہمدردی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔" یہ کہتے ہوئے اس شخص نے اپنے بٹوے میں سے مزید دس کرارے نوٹ نکال کر میرے ہاتھوں میں تھما دیے اور پلٹ کر تیز تیز قدموں سے اپنی کار کی جانب چل پڑا۔

میں نے کھنکارتے ہوئے گلا صاف کیا اور تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "ایک منٹ کے لیے رک جاؤ۔ کیا تمھیں میرے لائسنس نمبر اور پتے کی ضرورت نہیں؟ مجھے تمہارے نقصان کی تلافی بھی تو کرنی ہے۔" میں نے آخری جملہ کمزور لہجے میں ادا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمھارے لائسنس نمبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے مسٹر۔" اس شخص نے میری جانب گھورتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی چھوٹے سے بچے کو بہلانے کی کوشش کر رہا ہو۔ "سمجھو، اب ہمارا تمھارا حساب بے باق ہو گیا۔ اب اس معاملے کو بھول جاؤ۔ میں نے یہ ڈھیر سارے نوٹ اسی لیے تمہارے ہاتھوں میں تھمائے ہیں۔"

اس کا یہ کاروباری چکر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لہٰذا میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کی کار کا لائسنس نمبر اپنے پاس درج کر لیا جائے۔ میں نے بال پین نکالنے کے ارادے سے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اچانک مجھے کیمرے کا دھیان آ گیا جو میرے برابر کی نشست پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے کیمرا کیس کھولتے ہوئے کیمرے کو باہر نکالا اور ساتھ ہی شٹر کو آن کر دیا۔

کیمرے کے شٹر کی آواز یقیناً اس شخص کے کانوں میں پہنچ گئی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ میں اس وقت تک اس کی کار کے عقبی حصے کو فوکس کر چکا تھا تاکہ نمبر پلیٹ کی تصویر کھینچ سکوں۔

"نہیں! ایسا مت کرنا!" وہ شخص چیختا ہوا میری جانب لپکا لیکن اس وقت تک میں کیمرے کا بٹن دبا چکا تھا۔ کیمرے کی کلک کی آواز سنتے ہی اس شخص نے جھرجھری سی لی اور وہیں رک گیا۔

عین اسی لمحے میرے کانوں میں سائرن کی ہلکی سی آواز سنائی دی جو دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔ اس شخص نے افسردہ انداز میں سر ہلایا اور اپنی جیب سے ایک پنسل نکال کر میری کار کا نمبر ایک چھوٹے سے سفید کارڈ پر لکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے فوٹوگرافر؟" اس کے لہجے میں عجلت عیاں تھی۔

"میرا نام کارلنز ہے اور میں ۲۲- آرڈمور اسٹریٹ پر واقع

اپارٹمنٹ بی میں رہتا ہوں۔" میں نے ایک ہی سانس میں اپنا نام اور پتا بتا دیا۔ پھر اس شخص سے پوچھا۔ "تمھارا نام اور پتا کیا ہے؟"

"میں تمھیں اپنا کارڈ روانہ کر دوں گا مسٹر کارلنز۔" اس شخص نے کچھ اس انداز سے جواب دیا جیسے کوئی دھمکی دے رہا ہو۔ پھر سر جھٹکتے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے اپنی کار میں جا بیٹھا اور تیزی سے کار اسٹارٹ کر کے یہ جا وہ جا۔

میں پولیس کے انتظار میں وہیں کھڑا رہا لیکن کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ میں جسے پولیس سائرن سمجھا تھا، وہ فائر انجن کا سائرن تھا۔ میں ٹہلتا ہوا اس بس اسٹاپ کی جانب چل پڑا جس کے سامنے ہماری کاریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ میں نے سڑک کے درمیان پڑے ہوئے شیشے کے ٹکڑے اٹھا کر ایک طرف کنارے پر ڈال دیے۔ بس اسٹاپ پر کچھ لوگ موجود تھے لیکن اس حسین لڑکی کا کوئی پتا نہیں تھا جس کے اچانک ہاتھ لہرانے سے میں اس کی جانب متوجہ ہوا تھا اور پھر وہ حادثہ پیش آیا تھا۔

بس اسٹاپ پر موجود تقریباً تمام لوگوں نے مجھے دیکھ کر دوسری جانب منہ پھیر لیے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس حادثے کے عینی گواہ بننے سے کترانا چاہتے ہیں لیکن ایک سترہ سالہ نوجوان البتہ میری جانب دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔ "میری گواہی تمہارے لیے کارآمد نہیں ہوگی مسٹر، قصور تمھارا تھا۔ تم خود اس کی گاڑی سے ٹکرائے تھے۔"

میں نے اس لڑکے کا نام اور پتا اپنے پاس نوٹ کر لیا پھر اس حسین لڑکی کے بارے میں پوچھا جو کچھ دیر پہلے اسی بس اسٹاپ پر موجود تھی۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" وہ لڑکا کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ نظروں میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ جس جگہ بیٹھی ہوئی تھی، وہیں میں بھی اس کے برابر کھڑا تھا۔ وہ تمھارے حادثے کے بعد ہی یہاں سے گئی ہے۔ میں نے اسے تمھاری جانب کھڑے ہو کر ہاتھ لہراتے دیکھا تھا۔ پھر میں وہ تماشا دیکھنے میں مگن ہو گیا جب وہ بڑی سی کار تمھاری کار کو گھسیٹے لیے جا رہی تھی اور

تم پوری قوت سے ہارن بجا رہے تھے۔ جب تمہاری کاریں چوراہا عبور کر گئیں تو میں کچھ کہنے کے ارادے سے لڑکی کی جانب پلٹا لیکن وہ غائب ہو چکی تھی۔"

میں نے اس لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور پلٹ کر اپنی کار کی جانب چل پڑا۔ کار اسٹارٹ کرنے کے بعد میں نے ایک قریبی گیرج کا رخ کیا۔ انہوں نے میرے نقصان کا جو تخمینہ لگایا وہ اس رقم سے کئی گنا کم تھی جو وہ احمق شخص میرے ہاتھ میں تھما گیا تھا۔

میں نے اپنی کار وہیں چھوڑ دی اور گیرج سے ایک کار ادھار مانگ کر سیدھا اپنے گھر آ گیا۔ گھر آتے ہی سب سے پہلے میں نے کیمرے میں سے فلم نکالی اور ٹہلتا ہوا قریبی فوٹو گرافر کی دکان پر پہنچ گیا۔ میں نے اپنے تفریحی دورے کے لیے فلم کے تین نئے رول خریدے پھر ایک لفافے میں اپنی ایکسپوز فلم کا رول ڈال کر واپسی کی سلپ پر اپنا نام اور پتا تحریر کیا اور مشین سے ڈاک کے ٹکٹ خرید کر اس لفافے پر چسپاں کیے اور وہ لفافہ فلم کی ڈیویلپنگ کے لیے کمپنی کے پتے پر پوسٹ کر دیا۔

اسی شام کا ذکر ہے، میں اپنے کمرے میں بیٹھا ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ٹیلی وژن پر دوسری جنگ عظیم کی ایک سنسنی خیز فلم دکھائی جا رہی تھی۔ میں آرام سے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور میری پشت گرائونڈ فلور کی کھڑکی کی جانب تھی۔ فلم دیکھنے کے ساتھ میں نمکین بسکٹوں سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس وقت اسکرین پر اتحادی کمانڈوز کا ایک دستہ جرمن گشتی دستے پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار تھا اور چند لمحوں بعد ان دونوں کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی۔ اس دوران میرے ہاتھ سے بسکٹوں کا پیکٹ پھسل کر نیچے گر پڑا۔ میں جیسے ہی بسکٹ کا پیکٹ اٹھانے کے لیے نیچے جھکا، ایک زوردار دھماکا ہوا اور ٹیلی وژن سیٹ بھک سے اڑ گیا۔ شیشے کا ایک ٹکڑا میرے کان سے ٹکرایا اور میرا کان زخمی ہو گیا۔ ساتھ ہی تمام لائٹیں بھی گل ہو گئیں اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔

میں تیزی سے آرام کرسی میں دبک گیا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور کانوں میں دھماکے کی گونج ابھی تک قائم تھی۔ میرا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا اور میں اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے ٹیلی وژن کا حقیقت سے بھرپور ایسا پروگرام زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میں کچھ دیر تک اندھیرے میں بیٹھا رہا۔ پھر جب حواس قابو میں آئے تو میں نے فلیش لائٹ تلاش کی اور سب سے پہلے ٹیلی وژن کا کنکشن الگ کیا پھر باہر نکل کر سرکٹ بریکر کا سوئچ آن کر دیا۔ تمام لائٹیں دوبارہ روشن ہو گئیں۔ پھر میں نے جھاڑو سنبھالی اور کمرے کی صفائی میں جت گیا۔

اس دوران دو باوردی سپاہی میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک سیدھا تباہ شدہ ٹیلی وژن کی جانب بڑھ گیا اور دوسرا میری جانب۔ دونوں مجھے مشکوک نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ پھر ایک سپاہی نے مجھ سے سوالات کرنا شروع کر دیے۔

"یہاں کیا واقعہ پیش آیا ہے مسٹر کارلنز؟ تمہارے پڑوسی نے اطلاع دی ہے کہ یہاں بم کا دھماکا ہوا ہے۔" سپاہی نے پوچھا۔

"میرا ٹیلی وژن سیٹ اڑ گیا ہے۔" میں نے ایک ہاتھ میں جھاڑو اور دوسرے ہاتھ میں دبے رومال سے اپنا زخمی کان دباتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اس کرسی پر بیٹھا ہوا پروگرام دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک دھماکے سے ٹیلی وژن اڑ گیا۔" میں نے آرام کرسی کی جانب جھاڑو لہراتے ہوئے کہا۔ "دھماکے کی آواز بہت تیز تھی اور اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔"

دوسرا سپاہی پہلے تباہ شدہ ٹیلی وژن کا معائنہ کرتا رہا پھر ٹیلی وژن کی عقبی دیوار کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پلٹ کر اس کھڑکی پر جا پہنچا جو آرام کرسی کے عین عقب میں تھی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ جب اس کی نگاہ کھڑکی کے پردے پر ایک چھوٹے سے سوراخ پر پڑی تو وہ میری جانب متوجہ ہوا اور میرا زخمی کان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

"پکچر ٹیوب کا کوئی تیز دھار ٹکڑا اڑتا ہوا میرے کان کو زخمی کر گیا ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

لیکن اس سپاہی نے میرے خیالات سے اتفاق نہیں کیا۔ "نہیں مسٹر کارلنز! پردے کا یہ سوراخ اس گولی کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے جو تمہارے کان سے رگڑ کھاتی، ٹیلی وژن کے آرپار ہوتی، عقبی دیوار میں جا گھسی ــــ کسی شخص نے تمہیں شوٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔" یہ کہہ کر وہ دونوں بیرونی دروازے کی جانب چل پڑے۔

باہر نکل کر انہوں نے کھڑکی کے نیچے مٹی میں قدموں کے نشان تلاش کر لیے۔

کچھ دیر بعد ہومی سائیڈ ڈویژن کا ایک لیفٹیننٹ بھی آ دھمکا۔ وہ سادہ لباس میں تھا اور اس کا نام ولیم اسٹیل تھا۔ اس نے آتے ہی مجھ پر جرح شروع کر دی۔ خاص طور پر وہ میرے دشمنوں کی بابت جاننا چاہتا تھا لیکن جب میں اپنے کسی دشمن کی نشاندہی کرنے میں ناکام رہا تو اس لیفٹیننٹ کا منہ پھول گیا۔ البتہ جب میں نے اسے یہ بات بتائی کہ میں ایک بینک میں کام کرتا ہوں تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"عام طور پر تمہاری تحویل میں کتنی رقم رہتی ہے مسٹر کارلنز؟"

لیفٹیننٹ نے اس انداز سے سوال کیا جیسے اچانک سونا ملی مٹی اس کے ہاتھ آگئی ہو۔

"تقریباً دس لاکھ ڈالر۔" میں نے قدرے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا تم جوا کھیلتے ہو....؟" لیفٹیننٹ نے اگلا سوال کیا۔

میں نے نفی میں جواب دیا لیکن اسے میری بات کا یقین نہیں آیا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اس بارے میں تحقیقات کریں گے کہ کہیں مجھے ریس کھیلنے یا ویک اینڈ مونٹی کارلو میں گزارنے کا شوق تو نہیں ہے۔

میں نے اس کی کامیابی کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ امید بھی ظاہر کی کہ وہ ان تحقیقات کے دوران فارغ اوقات میں اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کرلیں تو بہتر ہوگا جس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری یہ حقیقت پسندی لیفٹیننٹ کو خاصی ناگوار گزری۔

دوسرے دن کافی کے وقفے کے دوران میں گیرج سے اپنی کار لے آیا۔ راستے میں، میں نے محسوس کیا کہ گاڑی کچھ گڑبڑ کررہی ہے۔ میں نے کار بینک کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کردی اور بینک سے اس مکینک کو فون کیا جس کا گیرج نزدیک ہی واقع تھا۔ اس مکینک کا ذاتی اکاؤنٹ ہمارے ہی بینک میں تھا۔ اس نے جواب دیا کہ لنچ کے وقفے میں آکر میری کار لے جائے گا۔

وہ مکینک ٹھیک ایک بجے بینک میں داخل ہوا، میں نے کار کی چابیاں اس کے حوالے کردیں۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے وہ مکینک دوبارہ بینک میں داخل ہوا۔ اس مرتبہ اس کے ہمراہ دو باوردی پولیس آفیسر بھی تھے۔ مکینک کا رنگ اڑا ہوا تھا اور ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ وہ میری میز کے اوپری کاؤنٹر پر جھکا اور کمزور لہجے میں بولا۔

"کیا آپ کچھ دیر کے لیے باہر تشریف لاسکتے ہیں مسٹر کارلنز؟ ہم آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتے ہیں۔"

جب میں ان تینوں کے ساتھ بیرونی دروازے کی جانب جارہا تھا تو بینک منیجر سے لے کر مشین آپریٹر تک ہر شخص کی نگاہ مجھ پر جمی ہوئی تھی۔ بینک سے نکل کر ان کا رخ پارکنگ لاٹ کے اس حصے کی جانب تھا جدھر میری کار کھڑی ہوئی تھی۔ میری کار کا ہڈ دور ہی سے اٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

جب ہم کار کے نزدیک پہنچے تو مکینک نے انجن کی جانب اشارہ کیا اور بولا۔

"یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے ایک نظر انجن کو چیک کرنا گوارا کرلیا۔ ہڈ اٹھاتے ہی میری نگاہ اس نیلے تار پر پڑی جو اسٹارٹر سے منسلک تھا، یہ تار اس جگہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جب میں نے تار کا دوسرا سرا تلاش کیا تو وہ ڈائنامائٹ کی ان چار اسٹکوں سے منسلک تھا جو ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے ٹیپ سے چسپاں تھیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر مجھے پولیس کو اطلاع دینا پڑی۔"

پولیس افسر اس صورت حال کی وضاحت کے لیے میری جانب پُرشوق نگاہوں سے دیکھنے لگے لیکن میں نے بے چارگی کے انداز میں شانے اُچکا دیے اور نروس زدہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا۔ "بہتر ہوگا کہ ہومی سائیڈ کے لیفٹیننٹ اسٹیل کو طلب کرلیا جائے۔ وہ پہلے ہی اسی نوعیت کے ایک کیس پر کام کررہا ہے۔"

لیفٹیننٹ اسٹیل کی آمد پر بینک منیجر کے ذاتی کمرے میں ہماری کانفرنس شروع ہوگئی۔ میں نے اس مرتبہ بھی لیفٹیننٹ کے ان خیالات کو سختی سے رد کردیا کہ میری کسی سے دشمنی ہے یا مجھ پر قمار بازی کے سلسلے میں کوئی بڑی رقم کی ادائیگی واجب ہے۔ میں نے لیفٹیننٹ کے اس نئے خیال کو بھی جھٹلا دیا کہ کوئی مجھے بلیک میل کررہا ہے۔

کانفرنس کے اختتام پر منیجر نے مجھے مشورہ دیا کہ میں آدھے دن کی چھٹی کرلوں۔ ساتھ ہی اس نے ایک اسپیشل آڈٹ ٹیم کو بینک کی رقم کے حساب کتاب پر مامور کردیا۔ میں نے یونہی مذاق میں بینک منیجر سے کہا کہ وہ میرے باہر جانے سے پہلے میری جامہ تلاشی بھی لے لے تو بہتر ہوگا۔ منیجر نے میرے مذاق کا کوئی نوٹس نہیں لیا لیکن لیفٹیننٹ اسٹیل سنجیدہ ہوگیا اور اس نے باقاعدہ طور پر میری تلاشی لے ڈالی۔

میں اجازت ملنے پر ٹہلتا ہوا بینک سے باہر آگیا۔ اس دوران بینک میں موجود گاہکوں کی ہمدردانہ نگاہیں دور تک میرا تعاقب کرتی رہی تھیں لیکن میرے ذہن پر کسی قسم کا کوئی بوجھ نہیں تھا۔ میں بے پروائی سے ٹہلتا ہوا اس قریبی گیرج کی جانب چل پڑا جہاں میری کار کا انجن ٹیون ہورہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آج بھی گیرج سے اُدھار کی کار مانگ کر گزارا کرنا پڑے گا۔

ابھی میں نے گیرج کا نصف راستہ طے کیا تھا کہ سڑک کی صفائی کرنے والا پانی کا ایک ٹرک چھڑکاؤ کرتا ہوا ہائی اسٹریٹ پر نمودار ہوا۔ جب وہ ٹرک میرے سامنے پہنچا تو مجھے اپنے عقب میں پٹاخہ پھوٹنے کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے ٹرک کا اگلا ٹائر ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گیا۔ ٹائر پھٹتے ہی ٹرک کا رخ تبدیل ہوگیا اور وہ میرے عین مقابل فٹ پاتھ عبور کرتا ہوا ایک شراب خانے میں جا گھسا۔ فضا میں شیشے ٹوٹنے کی آواز نیاگرا آبشار کے شور سے کم نہیں تھی۔ اُدھر ٹرک کے

عقبی حصے سے پانی کا چھڑکاؤ جاری تھا۔

میں حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ سوٹ میں ملبوس ایک شخص تیزی سے مجھ سے ٹکرایا اور مجھے ساتھ لیتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی دوران ایک دوسرے شخص نے ریوالور نکال کر ہمارے عقب میں لگاتار دو فائر کر دیئے۔ میں نے اس شخص کی فائرنگ کی زد سے نکلنے کی کوشش میں اٹھنا چاہا لیکن سوٹ میں ملبوس شخص نے مجھے دوبارہ زمین پر گرا لیا۔ وہ شخص اپنے جثے کے لحاظ سے فٹ بال کا کھلاڑی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔

"شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے،" میں نے کہا۔ "گیند میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے اس کے ڈیل ڈول کے مطابق اس سے مذاق کیا۔

"نیچے پڑے رہو، احمق۔" وہ غصے سے بولا۔

اس دوران فائرنگ کرنے والا شخص ایک بغلی گلی کی جانب دوڑ پڑا۔ سوٹ میں ملبوس جس شخص نے مجھے دبوچا ہوا تھا، اس نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا۔ شراب خانے میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی اور لوگ نکل کر تیزی سے بھاگنے لگے۔ اچانک فضا میں ایک زناٹے کی آواز گونجی اور آگ کے شعلوں نے شراب خانے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شعلوں کے بلند ہوتے ہی عورتوں اور مردوں کی چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی دور فاصلے سے سائرن کی آوازیں آنے لگیں۔

پھر ایک پولیس کار تیزی سے ہمارے قریب آ کر رک گئی اور باوردی سپاہیوں کا ایک دستہ آندھی طوفان کی مانند ہماری جانب لپکا۔

"اس شخص کو فوراً کار میں پہنچا دو اور اس کا خاص خیال رکھو۔" فٹ بال کے کھلاڑی نے باوردی سپاہیوں کو حکم دیا اور پھر مجھے چھوڑ کر اس گلی کی جانب دوڑ پڑا جدھر کچھ دیر قبل پہلا شخص لپکا تھا۔ ریوالور بدستور فٹ بال کے کھلاڑی کے ہاتھ میں تھا۔

سپاہیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیزی سے کار کی جانب دھکیلنے لگے۔ دوسرے لمحے میں کار کے اندر تھا۔ ایک باوردی سپاہی میرے قریب آ بیٹھا۔ دوسرا سپاہی اس فٹ بال کے کھلاڑی کے پیچھے گلی میں غائب ہو گیا۔

میرے برابر بیٹھے ہوئے سپاہی نے اپنی ٹوپی اتار دی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے تعظیمی لہجے میں بولا۔ "یہ کارنامہ تم نے تن تنہا انجام دیا ہے دوست؟" ساتھ ہی اس نے شراب خانے کی جانب اشارہ کیا جہاں دھوئیں کے سفید بادل نے دو ہزار فٹ کی بلندی تک فضا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہائی اسٹریٹ کا ایک حصہ فائر انجنوں نے بلاک کر رکھا تھا جبکہ سڑک کے دوسرے حصے میں کئی گاڑیاں آپس میں ٹکرائی کھڑی تھیں۔ سڑک کے دونوں جانب ٹریفک کا رخ پلٹ رہا تھا اور فضا میں گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

میں نے اس حادثے کی ذمے داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک گھنٹے بعد جب آگ پر مکمل قابو پا لیا گیا اور پانی کے ٹرک کو ہٹا دیا گیا تو لیفٹیننٹ اسٹیل جائے حادثہ پر نمودار ہوا۔ اس وقت تک حادثے کے دیگر زخمیوں کو بھی اسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور سڑک صاف ہو چکی تھی۔

لیفٹیننٹ اسٹیل نے آتے ہی ان حادثات کی ذمے داری میرے سر تھوپ دی۔ اس نے انکشاف کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر بغلی گلی سے فائر کیا تھا۔ اس کا نشانہ خطا ہو گیا اور گولی مجھے لگنے کے بجائے پانی کے ٹرک کے اگلے ٹائر میں جا گھسی اور ٹائر پھٹ گیا۔ دو سادہ لباس سراغرساں میرا تعاقب کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جسے میں فٹ بال کا کھلاڑی سمجھے ہوئے تھے لیکن وہ لوگ اس شخص کو پکڑنے میں ناکام رہے جس نے مجھ پر فائر کیا تھا۔

لیفٹیننٹ اسٹیل نے ملتجی لہجے میں درخواست کی کہ میں اسے وہ وجہ بتا دوں جس کی بنا پر وہ لوگ مجھے شوٹ کرنے یا میرے چیتھڑے اڑانے کے درپے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اس کے ان تمام خدشات کو رد کر دیا جن کے مطابق مجھ پر بنک سے بہت بڑی رقم اڑانے، قماربازی میں ہاری ہوئی بڑی رقمیں واجب الادا ہونے، بلیک میلنگ کا شکار ہونے، سیکرٹ ایجنٹ ہونے یا کسی ایسے گروہ کا جو بنک لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہو، ساتھ نہ دینے کا شک کیا جا رہا تھا۔

لیفٹیننٹ اسٹیل نے بتایا کہ وہ مجھے پولیس کار میں گھر بھیج رہا ہے کیونکہ فوری طور پر بحفاظت گھر پہنچانے کے لیے وہ کسی ٹینک کا انتظام نہیں کر سکتا۔ ساتھ ہی اس نے یہ خبر بھی سنائی کہ میری کار درست ہونے کے بعد پولیس خود میرے گھر پر پہنچا دے گی اور میں اس سلسلے میں کسی قسم کی زحمت نہ کروں۔

پھر اس نے انتہائی پراخلاق انداز میں مجھے تلقین کی کہ میں سڑکوں پر نکلنے سے حتی الامکان گریز کروں اور سورج ڈوبنے کے بعد اپنے فلیٹ کی کھڑکیوں کے تمام پردے نیچے گرا لیا کروں۔ لیفٹیننٹ اسٹیل کی اس حالت پر مجھے فوج کا وہ کرنل یاد آ گیا جس نے میرا تبادلہ اسپیشل سروسز میں کرایا تھا۔

پھر مجھے شہر کے وسط میں واقع پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا جہاں نمائش کے انداز میں مجھے سو سے زیادہ پولیس افسروں اور سپاہیوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا لیکن ان میں سے کسی نے

بھی میرے کسی بڑے گروہ کے رکن ہونے یا بڑا مجرم ہونے کی شہادت نہیں دی۔

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ میری شکل کسی بڑے مجرم سے نہیں ملتی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں رضاکارانہ طور پر اپنی تصویر اور اپنی انگلیوں کے نشانات دینا پسند کروں گا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ البتہ جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنے وکیل سے رابطہ قائم کروں تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔

کچھ دیر بعد میں ایک پولیس کار میں اپنے فلیٹ کی جانب رواں تھا۔ جب میرے فلیٹ کا فاصلہ ایک بلاک رہ گیا تو میں نے پولیس کار روکنے کا اشارہ کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھے پولیس کار سے اترتا دیکھ کر میرے پڑوسی میرے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کریں۔

میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے مجھے بقیہ فاصلہ پیدل طے کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ جب میں نے سڑک پر چلنا شروع کیا تو احساس ہوا کہ یہاں پر بھی آگ لگنے کی واردات ہو چکی ہے۔ ہمارے پڑوس میں واقع فوٹو گرافر کی دکان ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ میں جائے حادثہ کا جائزہ لینے کے ارادے سے سڑک پار کر کے دوسری جانب پہنچا تو میری نگاہ دکان کے مالک پر پڑی جو سر پر پٹی باندھے حسرت بھری نگاہوں سے اپنی جلی ہوئی دکان کو تک رہا تھا۔ میری اس شخص سے گزشتہ کئی سالوں سے شناسائی تھی۔

"کیا ہوا لوب؟"، میں نے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔

"عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے مسٹر کارلنز"، لوب نے سر جھٹکتے ہوئے کہا، "دو لحیم شحیم آدمی زبردستی دکان میں گھس آئے اور مجھے لوٹ کر لے گئے۔ لیکن حیرت ہے کہ انہوں نے پیسوں کے بجائے تمام فلمیں اور تصویریں لوٹنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے دکان میں موجود تمام ڈیولپ شدہ فلمیں اور پرنٹ میرے ہاتھوں اس چھوٹے سے سوٹ کیس میں منتقل کرا دیں جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر انہوں نے مجھے باہر دھکیل کر دکان میں پٹرول چھڑکا اور آگ دکھا دی۔ ان میں سے ایک شخص نے میرے سر پر پستول سے وار کیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں ایمبولنس میں تھا۔"

اس دوران ایک پولیس افسر ہمارے نزدیک پہنچا اور میری جانب اشارہ کرتے ہوئے لوب سے بولا، "کیا اس شخص کا کوئی فلم رول تمہاری دکان میں موجود تھا؟"

لوب کے منفی جواب پر پولیس افسر کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ لوب سے اظہارِ ہمدردی کرنے کے بعد میں دوبارہ اپنے فلیٹ کی جانب چل پڑا۔ اس دوران مجھے پولیس کار کی موجودگی کا بخوبی احساس تھا جو مجھ سے بیس فٹ کے فاصلے پر چل رہی تھی۔

جب میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تو میری آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ کسی نے میرے فلیٹ کو بری طرح الٹ پلٹ کر دیا تھا۔ کمرے میں موجود میز کی درازیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور ان میں موجود تمام سامان فرش پر بکھرا پڑا تھا۔ کچن میں تمام برتن اور سامان رکھنے کے ڈبے پھیلے ہوئے تھے۔ چینی اور کافی کے مرتبان خالی تھے اور یہ اشیا سنک میں بکھری ہوئی تھیں۔ میرا کیمرا اور اس کا سامان میز پر ڈھیر تھا۔ کیمرے کا پچھلا حصہ غائب تھا۔

ادھر پھر کیمرے کی حالتِ زار دیکھتے ہی مجھے وہ شخص یاد آ گیا جس کی کار کو میری غلطی کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا اور اس نے الٹا مجھے رقم کی ادائیگی کی تھی۔

اب اس پُراسرار معمے کی تمام کڑیاں اپنی جگہوں پر فٹ ہونا شروع ہو گئیں۔

میں اس خیال سے دروازے کی جانب پلٹا کہ شاید وہ پولیس کار ابھی تک باہر موجود ہو گی لیکن مجھے دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی رکنا پڑا۔ فلیٹ میں، میں تنہا نہیں تھا۔ سفاک نگاہوں والا ایک پستہ قد آدمی دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر وحشیانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک بڑا سا آٹومیٹک پستول تھا جس کی نال کا رخ میری جانب تھا۔

ایک دس سالہ بچے نے ماں باپ کو اس لحاظ سے پریشان کر رکھا تھا کہ وہ کسی قیمت پر کچھ کھانے کو تیار ہی نہیں تھا۔ والدین بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے بہلا پھسلا کر بچے کو کچھ کھانے پر آمادہ کر لیا۔ "ہاں تو بتاؤ تم کیا کھاؤ گے؟" ڈاکٹر نے پیار سے پوچھا۔

"بن کباب۔" بچے نے جواب دیا۔

فوراً ہی بن کباب منگوایا گیا جو پلیٹ میں سجا کر بچے کے سامنے رکھ دیا گیا۔ "اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیجیے۔" بچے نے کہا۔

بن کباب کے دو حصے کر دیے گئے۔ "اب کیا کہتے ہو؟" ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے بچے کی طرف دیکھا۔

"ایک حصہ آپ کھائیے۔" بچے نے کہا۔

ڈاکٹر نے بن کباب اٹھا کر ایک حصہ کھا لیا اور ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے بچے کی طرف دیکھا، بچہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"اب کیا ہوا؟" ڈاکٹر پریشان ہو گیا۔

"میرا حصہ تو آپ نے کھا لیا، اب میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔" بچے نے جواب دیا۔

میں ابھی اس پستہ قد کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ مجھے اپنے عقب میں شیشہ چٹخنے کی آواز سنائی دی اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔

ایک طویل قامت اور کریہہ صورت شخص چھوٹے سے کچن کے دروازے میں کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا جس کا رخ میرے سینے کی جانب تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر کسی قسم کی مسکراہٹ نہیں تھی۔

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور میرا حلق یکایک خشک ہو گیا اور کانٹے سے چبھنے لگے۔ میں نے کھنکارتے ہوئے گلا صاف کیا اور نروس زدہ لہجے میں بولا ”کیا آپ دونوں جنٹلمین پولیس آفیسر ہیں؟“

”نہیں مسخرے“ پستہ قد نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔ ”ہم پولیس آفیسر نہیں ہیں۔“

”اور نہ ہی ہم جنٹلمین ہیں، احمق!“ مکروہ صورت نے کسی بچے کی مانند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ میری جانب بڑھنے لگے۔

”تم نے وہ فلم کہاں چھپا رکھی ہے؟“ پستہ قد نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ سرگوشی کی مانند تھا۔

اس دوران طویل قامت نے ریوالور کی نال میری کمر سے لگا دی۔ فوج میں مسخرہ بنانے سے قبل مجھے اس قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے خاص طور پر تربیت دی گئی تھی۔ مشق کے دوران میری کارکردگی ہمیشہ بہت اچھی رہتی تھی لیکن حقیقی زندگی میں نہ تو پہلے کبھی اس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا تھا اور نہ ہی اس گر کو آزمانے کا موقع ملا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن دوبارہ نارمل ہو گئی۔

اور پھر اس پستہ قد کی حرکت سے میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس نے میری کھوپڑی کا نشانہ لیتے ہوئے پوری قوت سے پستول گھمایا۔ میں تیزی سے جھک گیا، اس کا وار خالی گیا۔ میں نے جھکتے ہی کھڑی انگلیوں کا ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کیا اور تیزی سے گھومتے ہوئے دوسرا ہاتھ کریہہ صورت کے ریوالور پر مارا۔ یہ سب کچھ اسقدر اچانک ہوا کہ طویل قامت ریوالور پر اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔

ریوالور ہاتھ سے نکلتے ہی اس مکروہ صورت نے میرے چہرے کا نشانہ لیتے ہوئے پوری قوت سے پنچ رسید کرنا چاہا۔ میں اس مرتبہ بھی جھکائی دے کر خود کو بچانے میں کامیاب ہو گیا لیکن پھر میں نے فوراً ہتھیلی کا کھڑا ہاتھ طویل قامت کے جبڑے پر رسید کر دیا۔

کسی شے کے چٹخنے کی آواز سنائی دی اور وہ مکروہ صورت کوئی آواز نکالے بغیر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس دوران پستہ قد خود کو سنبھال چکا تھا۔ وہ شاید مجھ کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوتا اگر مکروہ صورت گرتے وقت اس سے ٹکرایا نہ ہوتا۔ دوسرے اس پر کھانسی کا دورہ سا پڑا ہوا تھا کیونکہ میرا وار اس کے جبڑے پر سے پھسلتا ہوا گلے پر پڑا تھا۔ اس نے تیزی سے خود کو سنبھالتے ہوئے ریوالور کی نال کا رخ میری جانب گھمایا لیکن میں پلک جھپکتے میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اوپر کی جانب مروڑنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی میں نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ پر مارا۔

تکلیف کی شدت سے اس پستہ قد کی انگلیوں کا دباؤ ٹریگر پر بڑھ گیا۔ ایک دھماکا ہوا اور گولی نے چھت میں سوراخ کر دیا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں دھماکے کی گونج دیر تک قائم رہی تھی میں نے پستہ قد کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہتھیلی کا کھڑا ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر مارا۔ وہ کراہتا ہوا فرش چاٹنے لگا۔

میں تیزی سے اچھل کر ایک طرف ہو گیا کیونکہ گولی چھت کے جس حصے سے ٹکرائی تھی، وہاں سے پلاستر کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اکھڑ کر نیچے آ رہا۔ اگر میں بروقت چھلانگ نہ لگاتا تو ان دونوں کے ساتھ فرش نشین ہوتا۔

پلاستر کے فرش پر گرتے ہی کمرے میں دھول و غبار کا بادل چھا گیا۔

پولیس یقیناً باہر موجود تھی۔ دھماکے کی آواز سنتے ہی وہ لوگ دستک دیے بغیر دندناتے ہوئے میرے فلیٹ میں گھس آئے۔ ان کے ریوالور ان کے ہاتھوں میں تھے لیکن اس وقت تک میں جھاڑو اور ڈسٹ بین ہاتھ میں لیے کمرے کی صفائی میں مصروف ہو چکا تھا۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں نے کس طریقے سے ان دونوں بدمعاشوں کو بے بس کیا ہے لیکن انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ دیر تک فلیٹ میں میرے ساتھیوں کو تلاش کرتے رہے۔

لیفٹیننٹ اسٹیل بیس منٹ بعد میرے فلیٹ پر وارد ہوا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ خاص طور پر مجھ سے۔

”کیا تم گفتگو شروع کرنے سے پہلے جھاڑو ایک طرف رکھنا پسند کرو گے؟“ اسٹیل نے پریشان لہجے میں کہا ”میں اس قسم کی صورتِ حال میں کسی شخص سے پوچھ گچھ کرنے

کا عادی نہیں ہوں۔"

میں نے جھاڑو ایک کنارے دیوار سے لگا دی اور صوفے پر سے پلاستر کا ملبہ صاف کر کے اس پر بیٹھ گیا۔

"یہ سب کچھ تم نے کیا ہے؟" اسٹیل نے کمرے کی ابتر حالت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، یہ حالت ان دونوں نے کی ہے۔ یہ لوگ کسی چیز کی تلاش میں تھے۔" میں نے جواب دیا۔

لیفٹیننٹ اسٹیل، مسلسل بیس سیکنڈ تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

"ان دونوں میں سے طویل قامت کا جبڑا ٹوٹ گیا ہے۔ پستہ قد کی کلائی ٹوٹنے کے ساتھ گلے پر شدید ضربات آئی ہیں۔ اندرونی چوٹیں ان کے علاوہ ہیں۔ یہاں اور کون کون تھا؟ اور یہ دونوں کس چیز کی تلاش میں تھے؟ اور تم آخر کیا شے ہو؟ خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟" وہ پھٹ پڑا۔

لیفٹیننٹ اسٹیل کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور وہ برسنے لگا۔ اس کا یہ رویّہ میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ میں اسے اس شخص کے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا جس کی تصویر میں نے کھینچی تھی لیکن اس کے آپے سے باہر ہوتے ہی میری کھوپڑی بھی گھوم گئی۔ میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔

مجھے لیفٹیننٹ اسٹیل کی اس بات پر خاص طور سے بہت غصّہ آ رہا تھا کہ وہ بلا کسی جواز اور ثبوت کے مجھے مجرم سمجھ رہا تھا ساتھ ہی اس سیاہ سیڈان کے مالک پر بھی غصّہ آ رہا تھا جو صرف اس بات پر میری جان کے درپے ہو گیا تھا کہ میں نے اس کی تصویر اتار لی تھی۔ غصّے کی ایک وجہ بنک کا رویّہ بھی تھا جو مجھ پر چور ہونے کا شک کر رہے تھے۔ پھر ساتھ ہی فوج پر بھی غصّہ آنے لگا کہ پہلے انہوں نے مجھے جنگجو سپاہی کی حیثیت سے تربیت دی پھر مجھے ایک مسخرے کے روپ میں ڈھال دیا۔

مجھے قانونی طور پر ایک بڑی عوامی جنگ میں شامل ہونے سے جبراً روک دیا گیا تھا حالانکہ اس وقت میں کوریا کے محاذ پر موجود تھا لیکن مجھے اپنے جنگی جوہر دکھانے کا موقع نہیں دیا گیا۔

میں نے اپنے طور پر چھوٹی سی ذاتی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا اعلانِ جنگ سیاہ سیڈان کے مالک کے خلاف تھا۔ میں نے لیفٹیننٹ اسٹیل سے کہا کہ وہ میرے فلیٹ سے نکل جائے اور ان دونوں بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لے جائے۔

لیفٹیننٹ اسٹیل نے جانے سے پہلے ایک بار پھر تنبیہ کی کہ میں اپنے فلیٹ تک محدود رہوں۔ اسٹیل کے جانے کے بعد میں نے اپنے بنک فون کیا اور منیجر سے دریافت کیا کہ کیا بنک کے حساب کتاب میں کسی قسم کا گھپلا دکھائی دیا؟ میری اس بات کا جواب نفی میں تھا۔ منیجر اس فوری آڈٹ کے بارے میں کافی دیر تک معذرت طلب کرتا رہا۔ جب میں نے منیجر سے یہ کہا کہ میں اپنی تعطیلات کا آغاز قبل از وقت کرنا چاہتا ہوں تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے اپنے طور پر دو اضافی دنوں کی چھٹی دے دی اور مشورہ دیا کہ میں اپنی تعطیلات کسی دور دراز علاقے میں گزاروں۔ جب میں نے اس سے الاسکا کے بارے میں رائے طلب کی تو اس نے فوراً ہی میرے انتخاب کی داد دی۔ غالباً اس شخص میں مزاح کی حس موجود ہی نہیں تھی۔

شام تک میں اپنے فلیٹ کی صفائی کے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔

رات آٹھ بجے کے قریب لیفٹیننٹ اسٹیل نے فون کیا۔ اس نے بتایا کہ ان دونوں بدمعاشوں کی شناخت ہو گئی ہے۔ ان کا تعلق کسی دوسری ریاست سے تھا اور ان کی خدمات خاص طور پر مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے حاصل کی گئی تھیں۔ وہ دونوں غنڈے منگل کو رات گئے کسی فلائٹ سے یہاں پہنچے تھے۔ اسٹیل نے یہ بھی بتایا کہ ان غنڈوں کی ٹیم کی خدمات حاصل کرنے اور انہیں دوسری ریاست سے طلب کرنے پر ہزاروں ڈالر اخراجات آئے ہوں گے۔ پھر اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا جس کے مطابق کوئی منظم گروہ مجھ میں اور میری تحویل میں موجود کسی شے میں
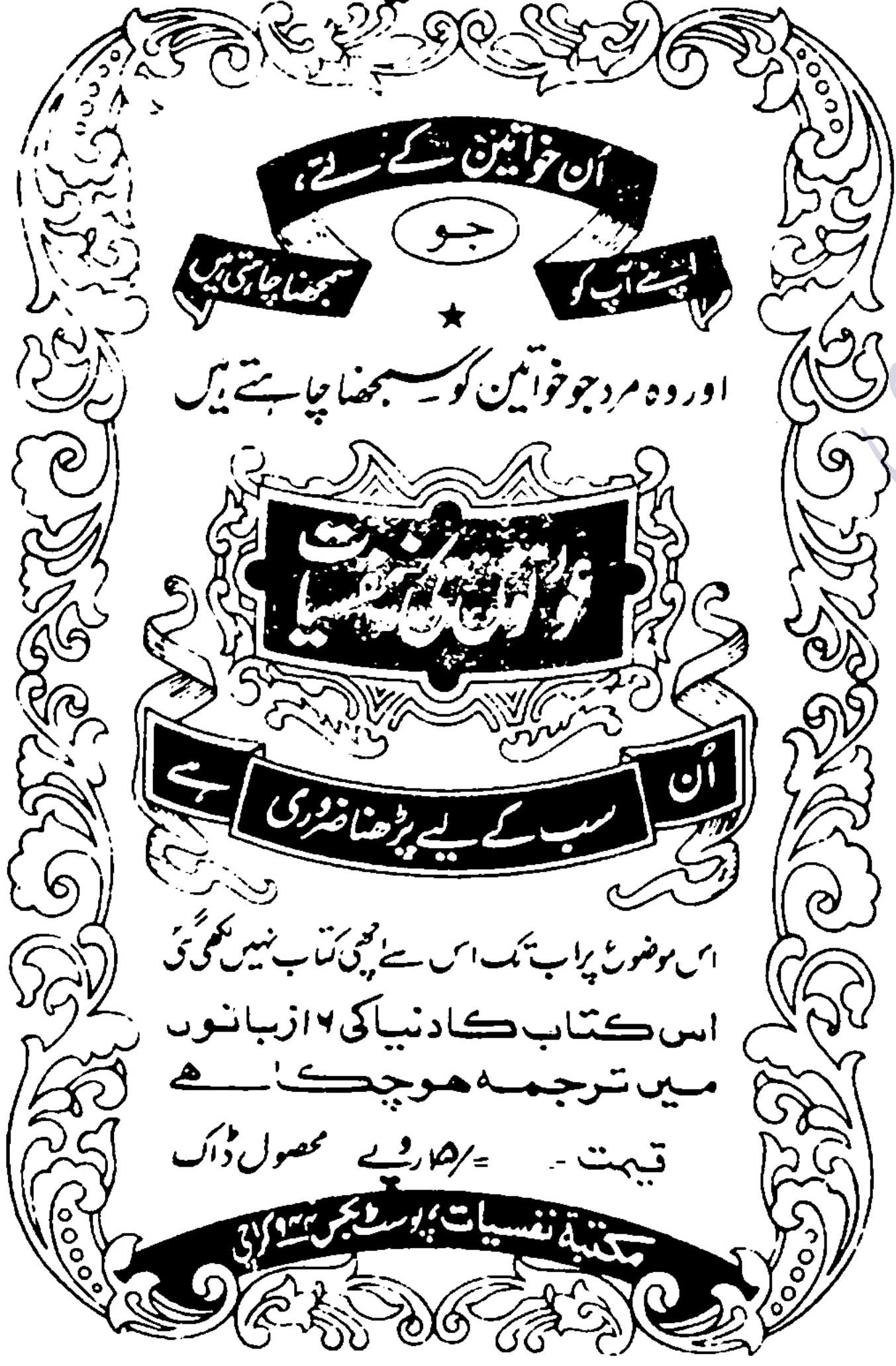
براہِ راست دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر مجھے ایسی کسی شے کا خیال آیا تو میں اسے مطلع کر دوں گا۔

آخر میں لیفٹیننٹ اسٹیل نے ایک بار پھر تاکید کی کہ میں الاسکا روانگی تک اپنے فلیٹ میں محدود رہوں اور الاسکا پہنچتے ہی اس سے رابطہ قائم کروں۔ حالانکہ میں نے اس سے الاسکا کے بارے میں کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔

اس رات مجھے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ بار بار یہی خواب دکھائی دیتے رہے کہ پولیس کاروں، ایمبولینسوں اور فائر انجنوں کے قافلے سارے شہر میں میرا پیچھا کرتے پھر رہے ہیں۔ صبح ہونے سے قبل بالآخر مجھے برانڈی کا سہارا لینا پڑا تاکہ کچھ دیر سکون کی نیند سو سکوں۔

صبح اٹھ کر میں نے تیزی سے ناشتا کیا اور اپنے فلیٹ کے عقبی دروازے سے نکل کے پچھلی گلی میں آگیا۔ پھر میں مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا اپنے بنک کی قریب ترین برانچ میں پہنچا اور ہزار ڈالر کا چیک کیش کرایا۔ بنک کے عملے نے چیک کیش کرنے سے قبل فون پر میری برانچ سے اس لین دین کے بارے میں باقاعدہ تصدیق کی۔ انہوں نے مجھے روکنے کے لیے کئی بہانے تراشے لیکن میں پولیس کار کی آمد سے صرف تین منٹ پہلے سڑک پر ایک بس پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ راستے میں ایک ٹیکسی اسٹینڈ پر نظر پڑی تو میں فوراً بس سے نیچے اتر گیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر کچھ دیر شہر میں گھومتا رہا۔ پھر ٹیکسی چھوڑ دی اور اس بس میں سوار ہوگیا جو ائیرپورٹ جاتی تھی۔ ائیرپورٹ پہنچ کر میں نے شہر واپسی کی بس پکڑی اور ہوٹل میرینیا کے علاقے میں اتر گیا۔ یہ ایک تجارتی علاقہ تھا۔

سب سے پہلے میں نے اپنے بال کٹوائے پھر ایک عینک ساز سے سیاہ شیشوں کی ایک بڑی سی عینک خریدی۔ اس کے بعد ایک اسٹور کا رخ کیا اور ایک اسپورٹس جیکٹ اور نکٹائی کے ہمراہ ایک مناسب سوٹ کیس بھی خرید لیا۔ خریداری سے فارغ ہو کر میں نے ہوٹل میرینیا کا رخ کیا اور رالف نیلسن کے نام سے ایک کمرہ بک کرا لیا۔ ساتھ ہی کرائے کی کار بھی لے لی۔

لنچ سے فارغ ہو کر میں کچھ دیر اپنے کمرے میں سستاتا رہا۔ پھر دو بجے ہوٹل سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر اس علاقے کی جانب روانہ ہوگیا جہاں میری کار اور اس سیاہ سیڈان کا حادثہ ہوا تھا۔ اس علاقے میں پہنچ کر میں نے اپنی کار اس بس اسٹاپ کے عقب میں واقع بڑی سی عمارت کے نزدیک کھڑی کر دی جہاں وہ حسین لڑکی دکھائی دی تھی۔

میں سیدھا اس عمارت میں داخل ہوگیا۔ میں نے لڑکی کی تلاش کی کوشش عمارت کی آٹھویں منزل سے شروع کی۔ میں ہر منزل پر واقع ہر ایک دفتر میں کسی نہ کسی بہانے داخل ہوتا رہا۔

بالآخر تیسری منزل پر واقع ایک وکیل کے دفتر میں میں نے اُسے تلاش کر لیا۔ دفتر کا داخلی دروازہ کھلا تھا لیکن اس لڑکی کی میز آڑ میں تھی۔ میری نگاہ لڑکی پر اس وقت پڑی جب میں دفتر میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ میز پر رکھے ہوئے ایک پیڈ پر سے دیکھ کر کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنی جگمگاتی آنکھوں سے میری جانب دیکھا اور مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک حسن تھا۔ میں سورج ڈوبنے کے منظر کی مانند اس مسکراہٹ کا جائزہ لیتا رہا۔

”فرمائیے؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا نام رالف نیلسن ہے۔“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”میں مسٹر جانسن سے ملنا چاہتا ہوں۔ جنھیں اپنی میز میں دیمک کی موجودگی کی شکایت ہے۔“ یہ جملے اچانک ہی میرے منہ سے ادا ہوگئے تھے۔ مجھے اس کے علاوہ کوئی اور بہانہ نہیں سوجھ سکا تھا۔

لیکن وہ لڑکی یقیناً میرے بہانے کو سمجھ گئی تھی۔ اس نے ایک نقرئی قہقہہ بلند کیا اور بولی۔ ”آپ یقیناً غلط دفتر میں آگئے ہیں مسٹر نیلسن! ہمارے عین اوپر کی منزل پر مسٹر جانسن کا دفتر ہے لیکن میرے خیال سے انہیں دیمک کی کوئی شکایت نہیں ہے۔“

میں نے یہ سن کر افسردگی سے آہ بھری اور قدرے پریشان لہجے میں بولا۔

”سطح کو دیکھ کر اس بارے میں اندازہ لگانا مشکل ہے۔“ میرے لہجے میں تجارتی رنگ کی آمیزش تھی۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مسز جانسن نہیں ہو سکتیں؟“

یہ سن کر اس لڑکی نے ایک مرتبہ پھر وہی نقرئی قہقہہ بلند کیا اور بھویں اُچکاتے ہوئے بولی۔ ”نہیں۔ میرا نام مس کارمیلا ہے۔“

”میں اوپری منزل پر کوشش کرتا ہوں مس کارمیلا!“ میں نے قدرے معذرت آمیز لہجے میں کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مجھے خود پر غصہ آرہا تھا۔ میں اس لڑکی کے سامنے آئے بغیر اسے تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن معاملہ میری خواہش کے برعکس ہو گیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ لڑکی شاید مجھے پہچان گئی ہوگی۔ میں

اس عمارت سے نکل کر ایک قریبی کیفے میں جا بیٹھا۔ چائے پینے کے بعد میں نے ایک نیوز اسٹینڈ سے ایک پیپر بیک مسٹری ناول خریدا اور کرائے کی کار میں بیٹھ کر چار بجے تک ناول پڑھتا رہا۔

پھر میں کار سے اتر کر عمارت کے سامنے ایک بڑے سے ستون کی آڑ میں جا کھڑا ہوا اور مس کارمیلا کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ میں مس کارمیلا کا تعاقب کر کے اس کی رہائش گاہ کا پتا معلوم کر لوں گا۔ پھر اس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ سیاہ سیڈان کا مالک کون شخص ہے اور اس شخص کا میری جان کے درپے ہونے کا مقصد کیا ہے۔

مجھ پر یہ بات اب واضح ہو چکی تھی کہ ہماری کاروں کی ٹکر اسی شخص کی غلطی کی بنا پر ہوئی تھی کیونکہ اس شخص نے لڑکی کو دیکھ کر اپنی کار اچانک روک دی تھی۔ اس شخص کو دیکھ کر لڑکی کا پہلا ردِ عمل یہ تھا کہ اس نے اچانک کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ لہرانا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ ہمیں اپنی جانب متوجہ پا کر دوڑتی ہوئی عمارت میں جا گھسی تھی۔

مس کارمیلا ساڑھے چار بجے کے بعد عمارت سے باہر نکلی تھی۔ اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے کارمیلا کو بس اسٹاپ کے بجائے عمارت سے متصل پارکنگ لاٹ کا رخ اختیار کرتے دیکھا۔ جیسے ہی میں نے کارمیلا کا تعاقب شروع کیا مجھے احساس ہو گیا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ دو لحیم شحیم طویل قامت افراد بھی مجھ سے آگے تھے۔ ان کی نظریں بھی کارمیلا پر جمی ہوئی تھیں۔ کارمیلا کے پارکنگ لاٹ میں قدم رکھتے ہی ان دونوں افراد نے اپنی رفتار تیز کر دی اور کارمیلا اور اپنے درمیان فاصلہ تیزی سے گھٹانا شروع کر دیا۔

یہ دیکھتے ہی میں نے دبے پاؤں دوڑ لگا دی۔ جیسے ہی ان دونوں نے کارمیلا کا ایک ایک بازو تھامتے ہوئے اسے اپنی گرفت میں لیا، میں بھی ان کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔

”شور مچانے کی کوشش مت کرنا لیڈی! تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔“ ان میں سے ایک شخص نے دبی دبی آواز میں کہا۔ ”کوئی شخص تم سے ملنا چاہتا ہے اور ہم تمھیں اسی کے پاس لے جا رہے ہیں۔“

میں نے اس شخص کے شانے پر ہلکے سے تھپکی دی، اس نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس شخص کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ میں نے ایک زوردار ٹھوکر اس کے گھٹنے پر فوراً ہی رسید کی اور ساتھ ہی اپنا داہنا ہاتھ پوری قوت سے اس کے جبڑے پر دے مارا۔

وہ شخص کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

دوسرے شخص نے کارمیلا کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور تیزی سے میری جانب لپکا اور پھر اچانک اس نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے فولادی گھونسے سے میرے چہرے کا نشانہ لیا۔ میں بروقت خود کو اس کی زد سے بچانے میں کامیاب ہوا۔ البتہ اس کا گھونسا میرے چہرے کے بجائے میری پیٹھ پر پڑا تھا۔ گھونسا اتنا زوردار تھا کہ میں تقریباً گھوم گیا لیکن اس سے قبل کہ وہ شخص اپنا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتا، میں نے باکسنگ کے مخصوص ون، ٹو، تھری کمبینیشن اس کے چہرے پر رسید کر دیے، ساتھ ہی ایک زوردار ٹھوکر اس کی داہنی پنڈلی پر مارتے ہوئے، اپنے بائیں گھٹنے سے اس کے پیٹ کا نشانہ لیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے ایک کھڑا ہاتھ اس کے جبڑے پر دے مارا۔ وہ ایک زوردار دھماکے سے قریب کھڑی ہوئی ایک کار سے ٹکرایا اور پھر کٹے ہوئے درخت کی مانند زمین پر آ رہا۔ وہ شخص اتنا بھاری بھرکم تھا کہ کار سے ٹکرانے سے کار کے اگلے حصے میں ڈینٹ پڑ گیا تھا۔

میں نے کارمیلا کا ہاتھ پکڑا اور اسے تقریباً کھینچتا ہوا عمارت کے عقبی حصے سے گھوم کر اس سڑک پر لے آیا، جہاں میری کرائے کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ جب کارمیلا نے میری اس حرکت پر صدائے احتجاج بلند کی تو میں نے اسے بتایا کہ یہ لوگ یقیناً اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ یہ میرے ذاتی تجربے کی بات ہے اور میں اس سلسلے میں اس سے کچھ بات چیت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس

ایک

قوی الجثہ ملاح دھماکے کی آواز سے شراب خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا لیکن آگے بڑھنے کے بجائے وہیں رک کر چیخا۔

”کیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو لڑنا چاہتا ہو؟“

چند لمحے خاموشی رہی پھر ایک بوڑھے کی آواز سنائی دی ”نہیں۔ یہاں کوئی بھی لڑنے والا نہیں ہے۔“

”تب ٹھیک ہے۔“ ملاح دروازہ بند کرتے ہوئے بولا ”میں اندر آ رہا ہوں۔“

سے کہا کہ اس وقت اس کا اپنے گھر جانا خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے یہ شب کسی اور جگہ بسر کرنا ہوگی۔

بالآخر کارمیلا نے میری بات مان لی اور رات اپنی ایک سہیلی کے گھر بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس نے اصرار کیا کہ وہ پہلے کچھ دیر کے لیے اپنے فلیٹ ضرور جائے گی تاکہ کچھ کپڑے وغیرہ ساتھ لے سکے۔ اس نے کہا کہ ہم لوگ اس کے فلیٹ میں داخلی دروازے کے بجائے چوری چھپے عقبی دروازے سے داخل ہوں گے۔

اس کے فلیٹ جاتے ہوئے راستے میں کار میں، میں نے اسے شروع سے آخر کی تمام کہانی سنا ڈالی۔ اس نے اپنی مدد کرنے پر میرا شکریہ ادا کیا لیکن اس سیاہ سیڈان کے مالک کے بارے میں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اس روز بس اسٹاپ پر سڑک پار کسی اور شخص کو دیکھ کر ہاتھ لہرا رہی تھی لیکن مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ خوبصورت ضرور تھی لیکن اسے خوبصورتی کے ساتھ جھوٹ بولنے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ میں نے اس بارے میں اس سے مزید کوئی بحث نہیں کی۔

اس کے فلیٹ پہنچ کر ہم عقبی دروازے کے راستے اندر داخل ہوئے۔ اس نے اپنے کچھ کپڑے وغیرہ ساتھ لیے اور ہم اسی راستے سے باہر نکل آئے۔ اس دوران میں کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ اس کی سہیلی ویسٹ ووڈ کے علاقے میں رہتی تھی۔ میں نے کارمیلا کو اس کی سہیلی کے گھر پہنچایا اور پھر اس علاقے کی جانب چل پڑا جہاں میرا فلیٹ واقع تھا۔

میں نے کار اپنے فلیٹ سے ایک بلاک پہلے پارک کردی اور پھر گلیوں سے ہوتا ہوا عقبی دیوار پھلانگ کر چپکے سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوگیا۔

مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ میرے فلیٹ میں پہلے سے کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے تاریک شیشوں کی عینک اور نکٹائی اتار کر ایک طرف رکھ دی اور سر پر تولیہ لپیٹ لیا تاکہ میرے نئے انداز سے تراشیدہ بالوں پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ پھر میں فلیٹ کا داخلی دروازہ کھول کر بیرونی لابی میں آگیا۔ لابی سنسان پڑی تھی۔ میں تیزی سے اپنے لیٹر بکس کی جانب لپکا۔ میں نے جو فلم ڈیویلپنگ کے لیے کمپنی کو بھیجی تھی، وہ واپس آگئی تھی اور لفافہ لیٹر بکس میں موجود تھا۔ میں نے وہ لفافہ نکالا اور تیر کی مانند واپس اپنے فلیٹ میں آگیا۔

فلیٹ کا دروازہ بند کرنے سے قبل میری نگاہ سڑک پار اس پولیس کار پر پڑی جو اسی وقت وہاں آکر رکی تھی اور اس میں سے باوردی اور سادہ لباس افراد تیزی سے اتر کر میرے اپارٹمنٹ کی جانب لپک رہے تھے۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے تیزی سے اپنا تولیہ سر سے اتار کر ایک جانب اچھالا اور اپنا کوٹ، نکٹائی اور سیاہ عینک سنبھالتے ہوئے عقبی راستے سے نکل کر اپنی کار کی جانب دوڑ پڑا۔ اس صورتِ حال میں مجھے خطرہ تھا کہ کہیں کوئی سادہ لباس والا عقبی گلی میں نہ نکلے اور میرے فرار کی راہ مسدود ہو جائے۔

مجھے یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ ان لوگوں کو لیفٹیننٹ اسٹیل نے بھیجا تھا۔ وہ مجھ سے اس مار پیٹ اور ہنگامے کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا جو اس سہ پہر ولشائر کے علاقے میں ایک پارکنگ لاٹ میں رونما ہوا تھا۔

میں اس وقت اپنی کار میں بیٹھ کر کافی دور نکل چکا تھا جب پولیس کی تمام پٹرول کاروں کو میری گرفتاری کے احکامات جاری کیے گئے۔ میرا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس دوران کئی پولیس کاریں میرے سامنے سے گزریں لیکن کسی نے مجھ پر دھیان نہیں دیا۔

اس مرتبہ میری منزل میرے ایک اخباری رپورٹر دوست ٹونی کی رہائش گاہ تھی۔ ٹونی کی اور میری دوستی ہائی اسکول کے زمانے سے تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت ٹونی اپنے فلیٹ میں موجود تھا۔ پہلے تو وہ میرے حلیے کی وجہ سے مجھے پہچان نہیں پایا لیکن پھر جیسے ہی اس کو احساس ہوا کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے تو وہ خوشی سے پھٹ پڑا۔

"ارے، کارلنز تم! آؤ، اندر آجاؤ۔ تم اس وقت ایک غریب اور بھوکے اخباری رپورٹر کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر نازل ہوئے ہو۔ شہر کا ہر سپاہی تمھاری تلاش میں ہے۔ تم واٹس کے ہنگاموں کے بعد اس شہر کی سب سے بڑی کہانی بن گئے ہو۔"

ٹونی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے مشروب پیش کیا۔ پھر میں نے اسے پوری رام کہانی سنا ڈالی۔ آخر میں میں نے اس سے کہا کہ وہ سیاہ سیڈان کے مالک کو شناخت کرنے میں میری مدد کرے۔ اس نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ خفیہ طور پر اس شخص کی تصویر کی تشہیر کرے گا تاکہ اس کی حقیقت کا پتا چلایا جاسکے۔

میں نے لفافے میں سے تصویروں کے سلائیڈ نکال کر وہ تصویر الگ کی جو میں نے سب سے آخر میں کھینچی تھی۔ یہ وہی تصویر تھی جس کے کھینچنے پر اس جنگ کا آغاز ہوا تھا۔

میں نے وہ تصویری سلائیڈ ٹونی کی جانب بڑھا دیا۔

ٹونی نے سلائیڈ کو روشنی کے رخ پر کر کے دیکھا تو اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ وہ اپنے اندرونی کمرے کی جانب لپکا۔ کچھ دیر بعد جب وہ پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک پروجیکٹر تھا۔ اس نے پروجیکٹر سیٹ کیا اور پھر وہ تصویری سلائیڈ، اس میں لگا کر، عکس ایک دیوار پر ڈالا۔ تصویر کو فوکس کرتے ہی اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔

”تمہارا کہنا ہے کہ تم نے یہ تصویر اسی منگل کو ویلشائر ہائی اسٹریٹ پر اتاری ہے؟“ اس کے لہجے میں حیرت، تعجب اور خوشی کی آمیزش تھی۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اس مونچھوں والے غصیلے شخص کو تین سال قبل مافیا نے باقاعدہ سرکاری طور پر جنیوا میں دفن کیا تھا۔ یہ شخص اس وقت سے مردہ تصور کیا جا رہا ہے۔ اس کا نام فرینک ریالو ہے اور اسے سات سال قبل امریکا سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ امریکی مافیا تنظیم کا سپریم کمانڈر تھا اور امریکا سے جلاوطنی کے بعد اس نے یورپ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔“ ٹونی نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔

میں منہ پھاڑے ٹونی کا چہرہ تکتا رہا۔

ٹونی نے اب بے چینی سے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ”تو منگل کے روز فرینک ریالو، حکومت کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے، مونچھیں بڑھائے اور تاریک شیشوں کی عینک لگائے، دن کی روشنی میں ولشائر ہائی اسٹریٹ پر کار ڈرائیو کرتا گزر رہا تھا کہ کارمیلا نامی اس لڑکی نے اسے پہچان لیا اور کھڑے ہو کر ہاتھ لہرانے لگی۔ وہ اس بات پر بوکھلا گیا اور اچانک بریک لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمہاری کار اس کے عقب میں جا ٹکرائی اور اس کے تاریک شیشوں کی عینک چکنا چور ہو گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے وہاں سے نکل جائے لیکن تمہاری کاریں آپس میں جڑ گئی تھیں۔ لہٰذا اسے کاروں کے بمپر علیحدہ کرنے کے لیے نیچے اترنا پڑا چونکہ تم لائسنس تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اس لیے اس نے تم سے جان چھڑانے کے لیے نقصان سے کہیں زیادہ رقم تمہارے ہاتھ میں تھما دی لیکن تم نے اس کی تصویر اتار کر اس کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔“ یہ کہہ کر ٹونی سانس لینے کے لیے رکا۔ میں اس دوران خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا۔

پھر قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ”کارلنز، تم اس کے لیے چلتی پھرتی تباہی کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اسی روز سے اپنے لشکر تمہارے لیے بھیج رہا ہے اور تم ان کے چیتھڑے اڑا کر اسے واپس کیے جا رہے ہو۔“

”تو پھر کارمیلا کی جان یقیناً خطرے میں ہو گی۔“ میں نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ اس شخص سے واقف ہے کہ وہ کون ہے لیکن ابھی اس کی عمر صرف بائیس تیئس سال کے لگ بھگ ہے۔ جب فرینک ریالو کو یہاں سے جلاوطن کیا گیا تھا تو اس وقت کارمیلا کی عمر پندرہ سولہ سال رہی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس بارے میں ایک مرتبہ پھر کارمیلا سے کچھ باتیں کرنا ہوں گی۔ اسے پولیس کا تحفظ حاصل ہونا چاہیے کیونکہ اس کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے، فرینک ریالو اس سے بھی واقف ہے، جبھی اس نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگائے تھے۔“

میں نے وہ تصویری سلائیڈ ٹونی کے پاس چھوڑ دیا اور اسے اجازت دے دی کہ وہ اس کہانی کو قلمبند کرنے کے علاوہ پولیس کو بھی تمام حقائق سے باخبر کر دے کیونکہ مافیا جیسی تنظیم سے تن تنہا ٹکر لینا میرے بس سے باہر تھا۔

ٹونی کے اپارٹمنٹ سے نکل کر میں نے ٹیلی فون بوتھ تلاش کیا اور وہاں سے کارمیلا کی اس سہیلی کے فلیٹ پر فون کیا جہاں وہ رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ کارمیلا وہاں موجود تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ تیار رہے، میں اسے لینے کے لیے آ رہا ہوں۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ یہ میری حماقت تھی لیکن میں کارمیلا کو پولیس کا تحفظ ملنے سے پیشتر اس بات کا یقین کرنا چاہتا تھا کہ اس کے اور فرینک ریالو کے درمیان کسی قسم کے مجرمانہ تعلقات تو نہیں ہیں۔ فون بوتھ سے نکل کر میں نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور ویسٹ ووڈ کے علاقے کی جانب چل پڑا۔

کارمیلا کی سہیلی کے فلیٹ کے پاس پہنچ کر میں نے کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی اور سیڑھیوں کے راستے اوپری منزل پر واقع فلیٹ کی جانب چل پڑا۔

لیکن میں پہلی منزل تک پہنچنے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس مرتبہ ان کی تعداد تین تھی اور وہ پہلے سے میری آمد کے منتظر تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھ پر بڑا سا جال پھینکا۔ جال میں پھنستے ہی باقی دو آدمیوں نے میرے بازو پکڑ لیے۔ اس مرتبہ وہ لوگ میرے ہاتھوں کی زد سے دور ہی رہے۔ انہوں نے مل کر مجھے نیچے گرا لیا اور میرے پیروں پر بیٹھ گئے۔ ان میں سے دو افراد مجھے بے بس کیے بیٹھے رہے جبکہ تیسرے نے کپڑے

کی پٹی کا ایک بڑا سا لچھا اٹھا کر مجھے اس میں لپیٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوا تو میری حالت ممی کی مانند تھی۔ میرا پورا جسم سر سے پیر تک پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

انہوں نے مجھے گوشت کے بڑے سے ٹکڑے کی مانند ہاتھوں پر اٹھایا اور نیچے لا کر سڑک کے کنارے ایک بڑی سی سیاہ سیڈان میں ڈال دیا۔ اس سیاہ سیڈان کا عقبی حصہ بچھا ہوا تھا۔

مجھ پر اداسی کی کیفیت چھا گئی۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ فرینک ریالو کے آدمیوں کو میری آمد کی اطلاع کارمیلا نے دی تھی۔ کچھ دیر قبل کارمیلا سے فون پر جو گفتگو ہوئی تھی، اس سے تیسرا کوئی فرد واقف نہیں تھا۔

ان لوگوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور مجھے سیٹ پر لٹا دیا۔ ان میں سے کسی شخص نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور سفر شروع ہو گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ کار کسی پہاڑی سڑک پر چل رہی ہے کیونکہ بار بار موڑ آ رہے تھے اور کار کی رفتار میں وقفے وقفے سے فرق پڑ رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد کار پختہ سڑک سے پتھریلے راستے پر گھوم گئی۔ کار کے پہیوں کے نیچے پتھروں کے چرچرانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد کار رک گئی۔ جب کار کے دروازے کھلے تو میرے کانوں میں مینڈکوں کے ٹرانے اور جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اطراف میں کسی جگہ پہاڑی چشمہ بھی بہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم شہر سے دور کسی پہاڑی علاقے میں موجود تھے۔

انہوں نے ایک بار پھر مجھے ہاتھوں پر اٹھایا اور ایک مکان میں لے گئے۔ اندر پہنچ کر انہوں نے مجھے ایک بڑی سی نرم گدے والی کرسی پر رکھ دیا اور میری آنکھوں پر سے پٹی ہٹا دی۔ میں نے پٹپٹاتی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ روشنی قدرے مدھم تھی۔ کمرے کی سجاوٹ اور ساز و سامان سے امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک کونے میں فل سائز پیانو رکھا ہوا تھا۔ میرے عین مقابل ایک کرسی پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں کسی مشروب کا گلاس تھا۔

وہ شخص فرینک ریالو تھا۔

مجھ سے نگاہ ملتے ہی فرینک کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر اس نے ان لوگوں کو جو مجھے پکڑ کر یہاں تک لائے تھے، سر کی خفیف جنبش سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"بہت بہت مبارک ہو!" فرینک ریالو نے اپنے ساتھیوں کے رخصت ہونے کے بعد تعظیم کے انداز میں گلاس لہراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں مشروب کی پیشکش کرتا دوست لیکن اس کے لیے تمہارے ہاتھ پیر آزاد کرنا پڑیں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تمہارے ہاتھ پیر آزاد ہوئے تو پھر تم دھما چوکڑی پر اتر آؤ گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا ذہن ابھی تک کارمیلا کی غداری میں الجھا ہوا تھا اور میں مزید کچھ سوچنا سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم نے میری جو تصویر اتاری تھی، اس کا کیا کیا؟" فرینک نے پوچھا۔ "میرے آدمی اس تصویر کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں اور تم میرے ان مددگاروں کی تعداد کو تیزی سے گھٹا رہے ہو۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں یقین سے تو کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تصویر اب تک لیفٹیننٹ اسٹیل کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہوگی اور ممکن ہے کہ کل صبح شائع ہونے والے دو کروڑ اخبارات کے صفحہ اول کی زینت بن جائے۔

وہ ایک طویل وقفے تک میری جانب غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اپنا گلاس قریبی میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "بیٹے! تمہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ تم نے ان دو دنوں میں میرے لیے جو مشکلات پیدا کی ہیں، وہ پوری پولیس فورس دس سال میں بھی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔"

میں اپنی تعریف سن کر پھول گیا اور بولا۔ "تمہیں میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں دوبارہ زندگی بخشی ہے۔"

یہ سن کر فرینک ریالو نے بے ساختہ قہقہہ بلند کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور اسے ہاتھوں میں لہراتے ہوئے بولا۔ "تمہارے خیال میں مجھے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟" اس مرتبہ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔

میں نے پہلی مرتبہ سنجیدگی سے سوچا کہ مجھے اپنے بینک کے کام تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے اپنا وطن چھوڑنا پڑے گا۔" فرینک ریالو نے اسی مخصوص لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے زبردستی ریٹائرمنٹ لینا پڑ جائے۔ تم نے مجھے اور میری تنظیم کو تباہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔"

میں اب خاصی بے چینی محسوس کر رہا تھا لیکن اپنی بے بسی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے حوصلہ کرتے ہوئے اسے ایک مشورہ دیا۔ "تم کسی اور ملک میں کوشش

کیوں نہیں کرتے؟" لیکن میری آواز کی کپکپاہٹ چھپی نہ رہ سکی۔ "مثال کے طور پر سپین یا روس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

فرینک ریالو کے خیال کے مطابق میرا یہ مشورہ قابلِ غور تھا۔ میں نے بھی یہ مشورہ خاصی سنجیدگی سے دیا تھا۔

فرینک ریالو نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی جانب اشارہ کیا اور بولا "تم یہ بات یاد رکھنا چھوٹے آدمی کہ میں نے اپنے وعدے کا پاس رکھا ہے۔ تم جیسے شخص نے مجھ سے ٹکر لینے کی کوشش کی۔ اب تم میرے رحم و کرم پر ہو لیکن اس کے باوجود میں تمھیں انگلی تک نہیں لگاؤں گا۔ اس لڑکی کو بتا دینا کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد برابر کے کمرے سے اس کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے ٹیلی فون پر بات کر رہا تھا لیکن الفاظ صاف سنائی نہیں دے رہے تھے۔

چند منٹ بعد ایک ساتھ کئی کاروں کے اسٹارٹ ہونے اور ٹائروں کے چرچرانے کی آواز سنائی دی پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ کمرے میں موجود ہر شے ساکت تھی۔ مینڈکوں کے ٹرّانے اور جھینگروں کے بولنے کی آوازیں ایک بار پھر صاف سنائی دینے لگیں۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ مکان میں میرے علاوہ کوئی فرد موجود نہیں تو میں نے خود کو بندشوں سے آزاد کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ نصف گھنٹے بعد میں بُری طرح تھک چکا تھا اور بندشیں جوں کی توں قائم تھیں۔

اور پھر میرے کانوں میں کار کی آواز سنائی دی جو سڑک سے گھوم کر پتھریلے راستے پر چل رہی تھی۔ کار مکان کے عین سامنے آ کر رک گئی تھی۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس موقع پر فرینک ریالو کے کسی گرگے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن اونچی ایڑی کے زنانہ جوتوں کی کھٹ کھٹ سنتے ہی میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ دوسرے ہی لمحے کارمیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آمد میری آنکھوں کے لیے کسی دلکش منظر سے کم نہیں تھی۔ اس نے میری حالت دیکھتے ہی بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا اور میں خود کو بندشوں سے آزاد کرنے کی کوشش میں کرسی سے نیچے لڑھک گیا تھا۔ اس نے دوبارہ مجھے کرسی پر بٹھایا اور کپڑے کی پٹیوں کو کھولنا شروع کر دیا۔

کپڑے کی وہ پٹی جس میں مجھے لپیٹا گیا تھا، پچاس فٹ لمبی تھی۔

اس دوران میں حقائق کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

کارمیلا، فرینک ریالو کی بیٹی تھی۔ اوروں کی طرح وہ بھی اپنے باپ کو مُردہ سمجھے ہوئے تھی۔ اس کی نگاہ میں فرینک ریالو مافیا کا سربراہ یا کوئی بڑا خطرناک مجرم نہیں بلکہ ایک رحم دل، مہربان اور مشفق باپ تھا۔ اُس روز جب کارمیلا نے اُسے ولشائر ہائی اسٹریٹ پر کار میں جاتے دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑی اور اسے متوجہ کرنے کے لیے ہاتھ لہرانے لگی۔ اپنی بیٹی پر نگاہ پڑتے ہی فرینک ریالو حیرت زدہ ہو گیا اور بے ساختہ بریک پر پاؤں پڑ گیا، جس کے نتیجے میں میری کار اس کی کار کے عقبی حصّے سے جا ٹکرائی اور میں خواہ مخواہ ہی اس معاملے میں ملوث ہو گیا۔

جب میں نے کارمیلا کو اس کی سہیلی کے گھر ولیسٹ ووڈ کے علاقے میں چھوڑا تھا تو اس نے سب سے پہلے اس وکیل کی معرفت جو اس کی نگہداشت کا ذمّے دار تھا، اپنے باپ سے رابطہ قائم کیا اور اس سے اصرار کیا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے کی کوششیں ترک کر دے۔ فرینک ریالو نے اپنی بیٹی کی بات مان لی لیکن اصرار کیا کہ وہ ایک بار اس شخص سے ضرور ملنا چاہتا ہے جس نے نہ صرف اس کے لیے یہ تمام مشکلیں پیدا کی ہیں بلکہ اس کی بیٹی اس میں دلچسپی بھی رکھتی ہے۔

"مجھے اپنا نام ایک بار پھر تبدیل کرنا ہو گا۔" کارمیلا نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ ملک کے کسی دوسرے حصّے میں جا کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا ہو گا۔"

کارمیلا کے تیوریاں چڑھانے میں بھی ایک حُسن تھا۔

"تم چاہو تو میں اس سلسلے میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے موقع کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو اپنا نام کارمیلا ریالو سے کارمیلا کارلنز کر سکتی ہو۔ ہم لوگ الاسکا منتقل ہو کر نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

اس طرح کارلنز کی وہ ذاتی جنگ جس کا آغاز کارمیلا کے ہاتھ لہرانے پر ہوا تھا، کارمیلا کے اثبات میں سر ہلانے پر اختتام پذیر ہوئی۔

SINCLAIR CARLINS PRIVATE WAR
Earle Lord